34

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے کارنامے

(فرمودہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے مثال کے طور پر پچھلے دو خطبوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ تعلیم توحید کے متعلق بیان کی تھی۔ جو آپ نے نور نبوت کے ذریعہ حاصل کر کے لوگوں تک پہنچائی اور بتایا تھا کہ جو کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہے وہ نہ مولویوں سے ہو سکتا تھا نہ ان کے کرنے کا تھا۔ نہ وہ کر سکے اور نہ وہ اب کر سکتے ہیں۔

آج بھی میں توحید ہی کی تعلیم کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ تحقیق بیان کرتا ہوں۔ جو بیشک قرآن کریم میں تو مذکور ہے اور آنحضرت ﷺ نے تو دنیا کو بتائی ہے لیکن مولویوں کو نظر نہ آئی اور حضرت مسیح موعودؑ نے جو کچھ حاصل کیا وہ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ ہی سے سیکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے دنیا نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی کہ توحید کیا ہے اور قرآن شریف اس کے متعلق کیا کہتا ہے۔ توحید قرآن میں تھی۔ مگر نہ کسی مولوی نے اس کی طرف خیال کیا۔ اور نہ کسی عالم نے۔ وہ خزانہ تھا مگر مخفی۔ جس کو کوئی مولوی ہاتھ نہ لگا سکا۔ وہ ایک موتی تھا جو قرآن کریم کے علوم کے سمندر کی تہہ میں پڑا ہوا تھا۔ جسے وہاں سے کوئی نہ نکال سکا کیونکہ اس تہہ میں سے اگر کوئی نکال سکتا تھا تو وہی غوطہ خور نکال سکتا تھا جو گہرا غوطہ لگا سکتا تھا۔ مگر مولویوں میں یہ ہمت نہ تھی۔

توحید کے متعلق جس چیز پر لوگوں نے زور دیا ہے اور مولوی اور علماء نے بھی جس پر زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کی ذات میں کسی کو شریک نہ قرار دیا جائے۔ خدا کی صفات میں کس کو اس کا شریک نہ قرار دیا جائے۔ خدا کے مرتبہ میں کسی کو شریک نہ سمجھا جائے اور خدا کے اظہار قدرت

میں کس کو اس کا شریک نہ بنایا جائے۔ جو کچھ بھی مولویوں نے لکھا اور جتنی بھی کتابیں علماء کی ہیں۔ ساری کی ساری جب توحید بیان کرتی ہیں۔ تو انہی باتوں میں اسے محدود کرتی ہیں۔ انہوں نے اس کی حد باندھ دی ہے۔ وہ ساری کی ساری یہی کہتی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات میں خدا تعالیٰ کی صفات میں۔ خدا کے مرتبہ میں اور خدا تعالیٰ کے اظہار قدرت میں کسی کو شریک مت قرار دو۔ مولویوں کی نظر اس سے اوپر نہیں گئی اور ان کا سارا زور اسی پر ختم ہو گیا ہے۔

صوفیاء اس سے اوپر گئے ہیں۔ انہوں نے مولویوں سے ایک قدم آگے بڑھایا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ کوئی توحید نہیں ہے کہ خدا کی ذات میں خدا کی صفات میں۔ خدا کے مرتبہ میں اور خدا کے اظہار قدرت میں کسی کو شریک نہ قرار دیا جائے۔ اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ خدا ہے اور ایک ہی ہے تو یہ کوئی توحید نہیں۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خالق اور محی کی صفات صرف خدا ہی کے لئے ہیں۔ تو اتنا کہہ دینا توحید کی حقیقت کو پورا نہیں کر دیتا۔ بلکہ توحید یہ ہے کہ اسباب پر کسی قسم کا بھروسہ نہ کیا جائے۔ دیکھو خدا کے سوا کوئی نہیں جو اولاد عطا کرے۔ اس لئے اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ فلاں شخص نے بیٹا دیا۔ خواہ وہ ساتھ یہ بھی کہے کہ خدا سے حاصل کر کے دیا ہے۔ خواہ "باذن اللہ" ہی اس کا نام رکھے۔ پھر بھی یہ شرک ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں شخص کی مدد سے میں فلاں کام کر لوں گا یا خود ذریعہ اور سبب کا پتہ لگا کر فلاں مشکل کو حل کر لوں گا یا روپے کے ذریعے اس کو درست کر لوں گا تو یہ بھی سب شرک ہے۔ ایسا ہی اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ میں علاج کے ذریعے مرض دور کر لوں گا یا یہ سمجھتا ہے کہ کپڑوں کے ذریعہ میں سردی یا گرمی سے اپنے آپ کو بچا لوں گا یا پانی سے پیاس بجھا لوں گا یا کھانے سے بھوک مٹا لوں گا یا علم سے جہالت دور کر لوں گا تو وہ بھی مشرک ہے کیونکہ وہ اسباب پر حصر کرتا ہے اور اسباب بنانے والے کو چھوڑتا ہے۔

مولوی کی نظر یہاں تک نہیں گئی۔ وہ عام طور پر اسی حد تک رہے ہیں کہ خدا کی صفات' ذات اور اظہار قدرت میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے اور جو اس سے آگے بڑھے ہیں وہ صحیح راستہ پر نہ رہے اور جدھر صوفیاء لے جانا چاہتے تھے ادھر نہیں گئے بلکہ اور طرف چلے۔ یعنی قدری اور جبری بن گئے۔ یہ بھی اسباب ہی کے پیچھے گئے۔ جبریوں نے تو کہہ دیا کہ جو فعل انسان سے سرزد ہوتا ہے وہ خدا ہی کراتا ہے۔ اس میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ چور اگر چوری کرتا ہے تو خدا ہی کراتا ہے۔ ڈاکو اگر ڈاکہ ڈالتا ہے تو خدا ہی ڈلواتا ہے۔ قاتل اگر قتل کرتا ہے تو خدا ہی قتل کراتا ہے

کیونکہ سب کام خدا ہی کراتا ہے لیکن نادان نہیں جانتے ۔ اگر خدا ہی یہ سب کام کراتا ہے۔ اگر خدا ہی کہتا ہے کہ تو فلاں کے ہاں چوری کر۔ اگر خدا ہی کہتا ہے کہ فلاں جگہ ڈاکہ ڈال۔ اگر خدا ہی کہتا ہے تو فلاں شخص کو قتل کر دے ۔ غرض اگر خدا ہی تمام اس قسم کے کام کرنے کے لئے بندوں سے کہتا ہے۔ تو پھر اس قسم کے کام کرنے پر سزا کیوں دیتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک فعل خود کرائے اور پھر اس کے کرنے پر سزا بھی دے۔ ان کے مقابلہ میں قدریوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ خدا انسان سے کوئی فعل نہیں کراتا۔ بلکہ اس انسان کو ہر کام کرنے کا اختیار دے دیا ہے اور انسان جو کچھ کرتا ہے اس میں وہ مختار ہے اس پر کسی کا اختیار نہیں ہے۔ انہوں نے اختیار کے مطلب کو ہی غلط سمجھا۔ وہ کہتے ہیں انسان کو خدا نے اختیار دیا ہوا ہے۔ جو چاہے کرے لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اگر اختیار ہے تو پھر سزا کیسی۔ اسی طرح تقدیر کا مسئلہ ہے ۔ اسے بھی مولویوں نے نہایت برے طریق پر بیان کیا ہے۔ میں اس وقت اس میں نہیں پڑنا چاہتا کیونکہ یہ علیحدہ مسئلہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر بھی ایسی روشنی ڈالی ہے کہ اس میں کوئی مشکل نہیں رہے گی۔

صوفیاء نے توحید کے متعلق جو تعلیم دی۔ گو وہ مولویوں کے خیال سے اعلیٰ تھی۔ اور اس کا علم انہوں نے خدا تعالیٰ سے حاصل کیا تھا لیکن پھر بھی وہ اس تعلیم کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توحید کے متعلق بیان فرمائی ہے۔ مولویوں نے تو کہا تو خدا کو ایک سمجھ۔ اس کی ذات میں اسے ایک سمجھ۔ اس کی صفات میں اسے ایک سمجھ۔ اس کے منصب میں اس کو ایک سمجھ۔ اس کے اظہار قدرت میں اسے ایک سمجھ۔ یہی توحید ہے۔ لیکن صوفی یہاں تک نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس سے آگے قدم بڑھایا۔ اور یہ کہا کہ تو خدا کو ایک بھی سمجھ اور اپنے عمل سے بھی ایسا ہی ثابت کر۔ یہ نہ کر کہ تیری زبان تو کہے کہ خدا ایک ہے اور تیرا دل خدا کے سوا اوروں کو حاجت برار سمجھے۔ یعنی اسباب پر بھروسہ کرے۔ جب تو روٹی کھاتا ہے تو یہ خیال نہ کر کہ روٹی سے پیٹ بھرے گا۔ بلکہ یہ یقین کر کہ خدا نے ہی روٹی کو یہ طاقت بخشی ہے کہ وہ بھوک مٹا سکے۔ اسی طرح جب تو پانی پیتا ہے تو یہ یقین رکھ کہ خدا ہی سیری دے گا تو ہوگی۔ ورنہ پانی کی یہ طاقت نہیں کہ پیاس بجھا سکے۔ اگر تو بیمار ہو تو بیشک علاج کر۔ لیکن وہ یہ یقین ہرگز نہ رکھ کہ اس علاج سے مجھے فائدہ ہو گا بلکہ یہ سمجھ کہ خدا تعالیٰ نے اس میں وہ صفت رکھ دی ہے کہ جس سے شفا ہوتی ہے اگر وہ ان صفتوں کو ان اشیاء میں پیدا نہ کرے تو یہ اپنے آپ کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔

پس اس بات پر یقین رکھ کہ روٹی اگر بھوک مٹاتی ہے۔ پانی اگر پیاس بجھاتا ہے۔ علاج اگر

مرض دور کرتا ہے۔ تو یہ سب خدا ہی کے حکم سے ہوتا ہے۔ نہ کہ ان میں اپنے آپ کوئی ایسی طاقت ہے جو فائدہ پہنچا سکے۔ یہ سب باتیں خدا نے ہی ان میں رکھی ہیں اور وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان چیزوں سے وہ ان طاقتوں کو لے بھی لے۔ پس جس طرح تو خدا کو سمجھتا ہے کہ ہے اور جس طرح تو یہ یقین کرتا ہے کہ وہ ایک ہی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایمان لا کہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہو رہا ہے اور پھر اس ایمان کو اس طرح ظاہر کر کہ اپنے ہر قول و فعل سے اس کا ثبوت دے۔ صوفیاء نے یہ توحید پیش کی ہے۔ مولویوں کی نظر یہاں تک نہیں پہنچی۔ وہ ان سے بہت نیچے رہے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص شفاف پالش شدہ میز میں اپنی شکل دیکھ لے۔ ان لوگوں نے خدا کی شکل ایک پالش شدہ میز میں دیکھی - لیکن صوفیاء نے شیشے میں دیکھی - جو زیادہ صاف طور پر نظر آئی۔ چونکہ شیشے میں جو شکل نظر آتی ہے وہ کسی پالش شدہ چیز پر سے نظر آنے والی شکل سے زیادہ واضح ہوتی ہے اس لئے صوفیاء نے جو کچھ دیکھا وہ مولویوں سے زیادہ واضح طور پر دیکھا اور یہ صاف بات ہے کہ مولویوں نے جو شکل دیکھی وہ شیشے میں نظر آنے والی صورت سے کیسی بھونڈی ہو گی۔ صوفیاء نے تو خدا کی شکل کو اس طرح دکھایا جس طرح شیشہ میں شکل دیکھی جائے۔ لیکن مولویوں نے اس سے زیادہ کچھ نہ دکھایا۔ جیسے پالش شدہ چیز میں دھندلی سی شکل نظر آ جائے۔ غرض صوفیاء مولویوں سے آگے بڑھ گئے۔

لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا اور توحید کو پورے طور پر سمجھایا۔ اور خدا تعالیٰ کو اس کے اصل رنگ میں دکھایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ''آئینہ کمالات اسلام'' میں فرماتے ہیں ا۔ توحید کے تین درجے ہیں - سب سے ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ انسان یہ خیال کرے کہ خدا اپنی ذات میں۔ اپنی صفات میں۔ اپنے منصب میں اور اپنے اظہار قدرت میں لاشریک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور کوئی اس قابل نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے - یہ ادنیٰ درجہ کی توحید ہے۔ دوسرا درجہ توحید کا اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کی تفصیل میں خیال کرے کہ جو کچھ میں کرتا ہوں۔ یہ میں اپنے آپ نہیں کرتا بلکہ خدا نے کہا ہے کہ ایسا کر۔ اس لئے کرتا ہوں اور جن چیزوں سے میں فائدہ اٹھاتا ہوں۔ ان میں فائدہ پہنچانے کی قوت خدا نے ہی رکھی ہے اور اسی کے حکم سے وہ فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ورنہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ گویا وہ یہ خیال کر لے کہ میں اس بات سے اس لئے فائدہ اٹھاتا اور ان سے کام لیتا ہوں کہ خدا نے وہ پیدا کئے ہیں۔ نہ اس لئے کہ میں انہیں فائدہ پہنچانے والا سمجھتا ہوں۔ جب یہ یقین اور یہ ایمان

پیدا کر لے کہ خدا تعالیٰ نے ہی یہ قانون بنائے ہیں۔ جن کے ماتحت سب کچھ ہو رہا ہے۔ تو سمجھ سکتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور منشاء سے ہو رہا ہے۔ غرض یہ تعلیم کہ روٹی کھانے میں خدا نے پیٹ بھرنے کی طاقت رکھی ہے یا پانی پینے میں ایسی صفت رکھ دی گئی ہے کہ وہ پیاس بجھا سکے۔ یا علاج میں یہ طاقت خدا نے پیدا کر دی ہے کہ صحت ہو جائے۔ ورنہ ان میں کوئی طاقت نہیں ہے اور نہ مجھے ان پر کسی قسم کا بھروسہ ہے۔ یہ دوسرے درجہ کی توحید ہے اور اس یقین کے ساتھ ایک شخص صرف صوفیاء والی توحید پر پہنچتا ہے۔ یہ دونوں توحیدیں عقائد پر اثر کرتی تھیں۔ انسان ذات کے لحاظ سے صفات کے لحاظ سے منصب کے لحاظ سے اظہار قدرت کے لحاظ سے خیال کرتا تھا کہ خدا ایک ہے اور ان سب چیزوں مین جو طاقتیں دیکھی جاتی ہیں۔ ان کو ان میں رکھنے والا خدا ہی ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ یہی توحید کافی نہیں بلکہ جب انسان ان دونوں درجوں کو طے کر لے تو پھر یہاں تک آ کے رک نہ جائے بلکہ اور بھی ترقی کرے اور کامل مشاہدات کے ذریعہ معلوم کرے کہ واقعی ایک خدا ہے جس کا جلوہ ہر چیز میں نظر آتا ہے۔

صوفیاء نے تو توحید کو آئینہ کی طرح دکھایا گو آئینہ میں خدا کی شکل دکھا دی لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے بھی آگے بڑھایا۔ اور فرمایا کہ تو خدا کو خود دیکھ۔ ذرائع میں نہ دیکھ۔ وسائط سے نہ دیکھ۔ بلکہ تو اپنے آپ کو گداز کر کے اس کو دیکھ۔ تو اس کے جلال کو اس طرح دیکھ کہ جس طرح کوئی چیز بغیر کسی پردہ یا روک کے سامنے کھڑی ہو اور تیری یہ حالت ہو کہ دنیا کی ہر ایک چیز بلکہ اپنے وجود کو بھی کالعدم سمجھ لے۔ یہ اصل توحید ہے۔ جس سے روحانی زندگی حاصل ہوتی ہے اور جس کے لئے توحید کا مسئلہ ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں دوائی میں یہ اثر ہے کہ وہ مرض کو دور کرتی اور مریض کو شفا دیتی ہے تو اس سے وہ غرض توحید کی پوری نہیں ہوتی۔ جو یہ یقین کرنے سے ہوتی ہے کہ دوائی میں یہ اثر اپنے آپ نہیں آگیا بلکہ کسی ایسی ہستی نے رکھا ہے جو اگر چاہے تو اب بھی اس سے واپس لے سکتی ہے۔ تو اس طرح صرف خیال کر لینا کہ خدا ہے۔ اور ایک ہے کوئی اس کی ذات صفات اور قدرت میں شریک نہیں۔ یہ کافی نہیں یہ خیال تو عیسائیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہودیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی پایا جاتا ہے۔

پس یہ ایمان کہ خدا ہے یہ کافی نہیں۔ یہ ایمان بالغیب ہے جو کامل نہیں ہوتا۔ ایمان بالمشاہدہ ہونا چاہیے اور ایمان بالمشاہدہ صرف اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے کہ ایک انسان اس حد تک گداز ہو کہ آخر خدا اس کے آئینہ قلب پر اپنا پرتو ڈالے اور صاف طور پر اسے نظر آ جائے۔

یہی وہ مقام ہے جس پر خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سرخ چھینٹوں والی رؤیا دکھائی۔ اس پر نادان مولویوں نے اعتراض کئے ہیں اور اپنی لاعلمی سے کہا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے مگر وہ نہیں جانتے اس مقام پر جو شخص پہنچ جاتا ہے اور خدا کی محبت میں اس حد تک محو ہو جاتا ہے کہ نہ صرف یہ یقین کرتا ہے کہ خدا ہے۔ نہ صرف اسی پر اکتفا کرتا ہے کہ اس یقین کے ماتحت اس بات کو مانے کہ خدا ہی سب کچھ کرتا ہے بلکہ وہ ذریعوں سے دیکھنے کے بعد آگے قدم بڑھا کر بغیر ذریعوں کے اسے دیکھتا ہے اور ایسا گداز ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کئی طور پر اپنے آپ کو اس پر ظاہر کرتا ہے۔

ہر رنگ چند کیمیاوی چیزوں سے بنتا ہے اور وہ چیزیں آگے کئی چیزوں سے بنتی ہیں۔ گیسیں ہیں۔ روشنیاں ہیں اور کئی چیزیں ہوتی ہیں۔ جن سے رنگ بنتا ہے۔ روشنی کی کرنوں کا اس سے تعلق ہوتا ہے اور سورج کا بھی۔ ان کے علاوہ ملائکہ ہیں۔ پھر خدا کا حکم ہوتا ہے۔ غرض بیسیوں، سینکڑوں چیزیں ہوتی ہیں۔ جن سے رنگ تیار ہوتا ہے اور سینکڑوں ہی اجزاء ہوتے ہیں۔ جن سے یہ ترکیب پاتا ہے۔ پھر سینکڑوں ہی وسائل ہوتے ہیں جن سے یہ اس طرح ظاہر ہوتا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے مسبب الاسباب ہونے کا مشاہدہ کرانے کے لئے اس رنگ میں ظاہر کیا کہ عالم رؤیا میں قلم چھڑکا۔ جس سے سرخی مادی چیز کی طرح کپڑوں پر آ پڑی۔ اب کہاں گئیں وہ گیسیں اور شعاعیں اور کہاں گئے وہ ہزاروں سامان جن کا ہم کو علم بھی نہیں کہ وہ کتنے ہیں۔ کیسے ہیں اور کیونکر ہیں۔ خدا نے بغیر ان سامانوں کے یہ رنگ پیدا کر دیا اور بغیر ذرائع کے بالمشافہ اس کو چھڑکا۔ جس کا کپڑوں پر بھی داغ رہ گیا۔ یہ ہے وہ توحید جو کامل ہے اور اسی کے حصول کے لئے کہا گیا ہے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ انسان ایسا گداز ہو کہ خدا تک پہنچنے کے لئے تمام سامان بیچ سے اڑ جائیں اور وہ بغیر کسی ذریعہ کے خدا کو دیکھ لے اور اس کی صفات پورے طور پر اس پر جلوہ گر ہوں۔ اسی لئے توحید پر اس قدر زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر اس کا یہ فائدہ نہ ہوتا تو اس کا مان لینا ایسا ہی تھا۔ جیسا ہمالیہ پہاڑ کا مان لینا یا زمین کا گول ماننا۔ کیونکہ جن لوگوں نے ہمالیہ پہاڑ کو نہیں دیکھا اور جنہیں پتہ نہیں کہ زمین گول ہے وہ بھی یہ مانتے ہیں۔

پس توحید کا مسئلہ انسان کو پاک کر کے خدا کا قرب دلانے کے لئے ہے جو شخص توحید کا قائل نہیں اور کامل توحید پر عامل نہیں۔ وہ قرب الٰہی نہیں حاصل کر سکتا۔ کیونکہ جو خدا سے دور ہو وہ اس مقام پر پہنچ نہیں سکتا جو انسان کی پیدائش کا اصل مدعا ہے۔ اسی لئے توحید پر ایمان لانے سے ایک

شخص جنت میں اور نہ لانے سے دوزخ میں جاتا ہے۔ یہ وہ توحید اور تعلیم توحید ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کی۔

پچھلے صوفیاء نے بھی توحید پیش کی ہے۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ نے فتوح الغیب میں اور ان سے دوسرے درجہ پر محی الدین ابن عربیؒ نے اس کے قریب قریب مفہوم پیش کیا مگروہ اس حد تک نہیں پہنچ سکے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند سطروں میں اس ساری حقیقت کو بیان کردیا کہ کوئی شخص محض خیال پر ایمان نہ رکھے بلکہ رؤیت پر رکھے تب جاکر توحید مکمل ہوتی ہے اور ایک آدمی پورا موحد کہلا سکتا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ اور محی الدین ابن عربیؒ نے جو کچھ بیان کیا۔ وہ بھی عجیب کیفیت رکھتا ہے مگر ابن عربیؒ تو وحدت وجود کی طرف نکل گئے اور سید عبدالقادرؒ اپنے حال بیان کرنے میں لگے رہے۔ کہ میں نے یہ دیکھا اور مجھے یہ نظر آیا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور آگے بڑھ کر فرمایا۔ توحید صرف حال نہیں بلکہ مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ انسان محض خیال پر نہ ایمان رکھے بلکہ رؤیت اور مشاہدہ پر رکھے۔ تب وہ توحید ہو سکتی ہے جو اصل مقصد ہے۔

شائد کوئی کہے کہ تم اپنے قول سے آپ پکڑے گئے۔ اگر عبدالقادر جیلانیؒ اور محی الدین ابن عربیؒ نے بھی توحید کے متعلق وہ بات بیان کی جو حضرت مرزا صاحب نے بیان کی اور خدا سے علم حاصل کرکے کی تو پھر حضرت مرزا صاحب میں ان سے بڑھ کر کونسی بات ہے لیکن ہم نے کب کہا ہے کہ ان کا علم خدا سے حاصل کردہ نہ تھا۔ بے شک ان کا علم خدا سے ہی حاصل کیا ہوا تھا لیکن نور نبوت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا علم کامل نہ تھا۔ اس لئے ابن عربی تو وحدت وجود کی طرف نکل گئے اور سید عبدالقادر حال کی کیفیات بیان کرنے تک محدود ہو گئے۔ اس سے آگے ایک قدم بھی نہ اٹھا سکے اور ہرگز اصول بتانے کی طرف نہ آئے۔ جن سے دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے - لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے اصول بیان کئے اور آپؑ میں اور ان میں یہی تو فرق ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے آکر توحید کے اصول اور مقاصد بیان فرمائے مگران لوگوں نے ایسا نہ کیا۔ پس ان میں فرق حال اور اصول کا ہے اور یہ اتنا بڑا فرق ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مبعوث ہو کر توحید کو اس سے زیادہ پیش نہیں کیا۔ جتنا کہ سید عبدالقادر جیلانیؒ اور محی الدین ابن عربیؒ نے کیا۔ رہے مولوی۔ وہ تو ایسا کرہی نہیں سکے۔ باوجود اس کے کہ آج سے ۶۰۰ سال پہلے بھی مولوی موجود تھے۔ پھران میں نیک بھی تھے۔ پرہیز گار بھی تھے مگر

چونکہ ان کے علم کسبی تھے۔ اس لئے وہ توحید کو اس رنگ میں نہ پیش کر سکتے تھے۔ اور نہ انہوں نے کیا۔ البتہ صوفیاء نے اسے کیا ہے مگر وہ بطور اصول کے نہیں۔ اب اگر کوئی اس کے بعد کہے کہ فلاں نے توحید کو پیش کیا یا فلاں نے اسے اس طور پر بیان کیا۔ یا اصول ہی بتائے تو اول تو یہ ناممکن ہے ۔ لیکن اگر مان بھی لیا جائے تو پھر بھی وہ حضرت مسیح موعودؑ کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ صرف ایک صداقت کو پانے والا ہوگا نہ کہ اصل کو پیش کرنے والا۔

مثلاً نیوٹن نے تھیوری نکالی کہ زمین میں کشش ہے اور وہ ہر ایک شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اسے یہ بات اس طرح معلوم ہوئی کہ ایک دفعہ وہ باغ میں بیٹھا ہوا تھا کہ سیب گرا اور وہ زمین پر آ پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور سیب گرا وہ بھی زمین پر آ پڑا۔ اس پر اس کی توجہ اس طرح پھری کہ کیا وجہ ہے کہ یہ سیب زمین پر ہی گرتے ہیں کیوں نہیں اوپر چلے جاتے یا کیوں نہیں دائیں یا بائیں پڑتے۔ اس طرف توجہ ہونے کے بعد اس نے اس پر مزید غور کیا۔ اور آخر اس نتیجہ پر پہنچا۔ یہ زمین ہی میں کوئی ایسی خاصیت ہے کہ وہ اشیاء کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس سے اس نے کشش ثقل کی تھیوری قائم کی اور اب بعض سائنس دان کہتے ہیں کہ ساری سائنس کی بنیاد اسی پر ہے مگر خیر اب اگر کوئی شخص سیب کو گرتا دیکھ کر یہ کہے کہ زمین پر آ پڑا کیونکہ بھاری چیز ہمیشہ زمین پر گرتی ہے۔ تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے زمین پر گرنے کی وجہ معلوم کر لی بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ ہر وزن دار شے زمین پر گرتی ہے کیونکہ وہ صرف حال بیان کرتا ہے۔ یہ اصل کہ کیوں گرتی ہے ۔ اسے نیوٹن نے ہی دریافت کیا تھا اور اسی نے اس ''اصل'' کو بیان کیا۔ اس کے بعد اب جو شخص بھی کسی وزن دار شئے کو زمین پر گرتے دیکھ کر یہ کہے گا کہ ہر بھاری شے زمین پر گرتی ہے۔ وہ حال بتانے والا ہوگا۔ اور نیوٹن کی طرح اصل کو معلوم کرنے والا نہ ہوگا۔

سید عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے آپ کو اپنے حال کی کیفیات بیان کرنے تک رکھا۔ کیونکہ وہ مامور نہیں تھے۔ مجدد تھے اور مجددیت کے مقام پر کھڑے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے اندر کی کیفیت بیان کر دی کہ یہ کچھ میرے اندر گزر رہا ہے اور میں نے یہ کچھ دیکھا ہے۔ وہ مجدد تھے۔ مخاطبہ مکالمہ الٰہیہ سے مشرف تھے اور اپنے زمانہ میں لوگوں کے لئے رحمت تھے۔ مگر توحید کو اصولی طور پر بیان کرنا ان کے لئے نہ تھا۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے رکھا گیا تھا۔ جو مامور کر کے بھیجے گئے۔ اس لئے آپ سے پہلے لوگ ایسا نہ کر سکتے تھے کہ توحید کے اصول بھی بیان کرتے توحید کا حال اور خاص کر وہ حال جو ان کے ساتھ گزر رہا تھا۔ وہی بیان کر سکتے تھے۔ اور یہ حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی کام تھا۔ کہ توحید کا اصل اور اس کے اصول اور اس کی غرض بیان فرماتے۔ پس یہ فرق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور گزشتہ صوفیاء حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ کے درمیان توحید بیان کرنے کے متعلق ہے۔

اب اس بات پر غور کرنے سے جو حضرت مسیح موعودؑ نے پیش کی ہے۔ توحید چیز ہی اور بن گئی۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں جتنا جتنا اس دنیا کی چیزوں پر غور کرو گے۔ تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ تمہاری خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور اس لئے بنائی گئی ہیں کہ تمہیں نفع پہنچائیں۔ حتیٰ کہ انسان بھی ایک دوسرے کی خدمت اور نفع کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنی ذات سے بھی نفع اٹھاتا ہے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاتا اور خود بھی دوسروں سے نفع حاصل کرتا ہے۔ یہ بات عام لوگوں کے ساتھ ہی تعلق نہیں رکھتی بلکہ خواص کا بھی یہی حال ہے۔

ایک نبی ہی کو لے لو۔ اگر وہ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے تو وہ خود بھی دوسروں سے نفع اٹھانے اور دوسروں کی مدد حاصل کرنے کا محتاج ہوتا ہے۔ روٹی پکانے میں وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ کپڑے سلانے میں وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ حجامت بنوانے میں وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے جنگوں میں پہرہ کے لئے وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ پھر ادنیٰ ادنیٰ چیزیں ہیں۔ ان میں بھی وہ دوسروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ غرض دنیا کی ہر چیز ہمارے نفع کے لئے ہے۔ اور اس نفع رسانی میں ایک دوسرے کا انسان محتاج ہے۔ پس جب دنیا کی ہر چیز ہمارے نفع کے لئے پیدا کی گئی ہے تو ہم کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ درحقیقت توحید کا مسئلہ اسی لئے ہے کہ ہم ان سب چیزوں کو اسباب سمجھیں اور اصل مقصد خدا کو پانا ہو۔ وہی ہر وقت ہر حالت اور ہر بات میں ہمارے مدنظر رہے۔

وہ لوگ جو دنیا کی نفع رساں چیزوں کو دیکھ کر ان کی پرستش شروع کر دیتے اور انہیں خدا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر نادان کون ہو سکتا ہے۔ وہ مسبب الاسباب کو چھوڑ کر اسباب کے پیچھے جا پڑتے ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کوئی گمراہی نہیں ہے۔ ہندو گنگا کی پرستش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان بے شمار چیزوں میں سے ایک ہے۔ جو خدا نے انسانوں کے آرام کے لئے بنائیں اور اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ خدا کی بھی کوئی چیر پھاڑ کر سکتا ہے۔ گنگا سے نہر نکالی گئی ہے۔ جب گنگا سے نہر نکالنے لگے تو ہندوؤں نے بہت شور مچایا کہ دیکھو جی مائی جی کا پیٹ پھاڑنے لگے ہیں۔ خدا کی قدرت چند بار کوشش کی گئی مگر گنگا میں سے نہر نہ نکل سکی۔ اس پر ہندوؤں نے کہنا شروع کر دیا ہم نہ کہتے تھے۔ گنگا مائی کا پیٹ پھاڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن آخر کار کاٹلی نام ایک انگریز نے اس میں سے نہر کاٹ

لی۔ اس پر کسی نے کہا ؎

کاٹلی نے نہر گنگا کاٹ لی

تو توحید اعمال کی درستی کے لئے ہے۔ ایک طرف تو انسان کے لئے خدا تک پہنچنے کا اور ترقیات کا راستہ کھول دیتی ہے۔ یہ ادنیٰ درجہ اثر کا ہے۔ جو مادیات پر پڑتا ہے۔ کامل اثر یہ ہے کہ انسان اعمال میں اصلاح کرتا ہے کیونکہ انسان سمجھتا ہے ایک ہی ہاتھ ہے جو یہ کام کر رہا ہے اور وہ خدا کا ہاتھ ہے۔ یہ سمجھ کر انسان ایک طرف تو جسمانی اصلاح کرتا ہے اور دوسری طرف روحانی اصلاح کے لئے کوشش کرتا ہے۔

اب کیا کسی موحد مولوی یا صوفی (میری صوفی سے بھی مراد مولوی ہے۔ کیونکہ مولوی وہ ہوتا ہے جو پڑھ کر علم حاصل کرے۔ ایسے لوگوں نے بھی جو اب صوفی کہلاتے ہیں۔ مشاہدہ نہیں کیا ہوتا۔ سنی سنائی یا پڑھی پڑھائی باتیں کہتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی مولوی ہیں) نے ایسے پیرایہ میں توحید کو پیش کیا۔ اگر نہیں کیا تو دیکھو قرآن موجود تھا۔ اور اس میں یہ سب کچھ موجود تھا۔ پھر کیوں وہ اسے پیش نہ کر سکے۔ بات یہ ہے کہ وہ کرہی نہیں سکتے تھے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ دنیا کے سامنے ایسے بنیادی مسئلہ کو پیش نہیں کر سکے۔ پھر محدث اور اہلحدیث موحد کہلانے والے بھی موجود ہیں۔ یہ اپنے بڑوں کی کتابوں سے نکال کر تو دکھائیں۔ اس درجہ کا پانا تو الگ رہا۔ اگر اتنے لمبے عرصہ میں اسے یہ سمجھ بھی سکے ہوں تو بھی بات ہے۔ یہ تو اسے سمجھ ہی نہیں سکے۔ کہ اصل توحید کیا ہے۔ فیج اعوج میں یہ نہ سمجھے اور اس زمانہ میں تو سمجھنا ذرا مشکل بھی تھا یہ تو اس زمانہ میں بھی توحید کو نہ سمجھ سکے جبکہ قرب نبوت تھا۔ اور ہر طرف حال ہی حال تھا جب حال کے زمانہ میں یہ اسے نہ سمجھ سکے تو پھر قال کے زمانہ میں یہ کب سمجھ سکتے تھے۔ جبکہ قال ہی قال باقی رہ گیا تھا۔

اسلام پر صدیاں ایسی گزر گئیں کہ اگر ان میں یہ کوشش کرتے تو شائد سمجھ سکتے لیکن انہوں نے نہ سمجھا اور نہ سمجھنے کی کوشش کی۔ اسلام کا نبوت کے قرب کا زمانہ گزرا جو حال کا زمانہ تھا لیکن اس میں نہ سمجھے اور سورج نکلے ہوئے میں یہ جب کچھ نہ دیکھ سکے تو سورج غروب ہو چکا تب یہ کیونکر دیکھ لیتے۔ پھر صحابہ کا زمانہ گزرا۔ اس میں بھی یہ کچھ نہ سمجھے۔ تابعین کا زمانہ گزرا اس میں بھی یہ نہ سمجھ سکے۔ تبع تابعین کا زمانہ گزرا۔ اس میں بھی یہ نہ سمجھ سکے۔ پھر سید عبدالقادر جیلانیؒ کے وقت بھی کچھ نہ سمجھے۔ دسویں صدی میں حضرت احمد سرہندیؒ تشریف لائے ان کے وقت میں بھی یہ نہ سمجھ سکے۔ اس کے بعد گیارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ صاحب تھے۔ ان کے وقت میں

بھی یہ نہ سمجھ سکے۔ غرض جب فیج اعوج کا وقت شروع ہوگیا اس وقت یہ کیونکر سمجھ لیتے۔ قرون اولیٰ کا وقت تو ایسا تھا جیسے سورج نکلا ہوا ہو۔ اور چاروں طرف روشنی ہی روشنی ہو لیکن یہ مولوی اس روشنی میں بھی اس نور کو نہ دیکھ سکے۔ بعد ازاں جب سورج ڈوب گیا اور فیج اعوج کا زمانہ شروع ہوگیا اس میں بھلا کیونکر اس بات کو دیکھ سکتے۔

ان کی مثال ایک چور اور مراثی کی ہے۔ ایک دفعہ مراثی کے ہاں چور گھس گیا۔ مراثی کے گھر میں کچھ نہ تھا۔ چور نے ہر چند تلاش کیا مگر کچھ نہ ملا۔ آخر ایک جگہ کچھ سفید سی چیز اسے نظر آئی۔ اس نے سمجھا آٹا ہے یہی لے چلو۔ اس کے لئے اس نے چادر بچھائی۔ لیکن دراصل روشنی تھی جو کسی سوراخ سے اندر پڑ رہی تھی۔ مراثی بھی جاگتا تھا اور سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن چونکہ اس کے گھر میں تھا ہی کچھ نہیں۔ اس لئے وہ خاموش رہا لیکن جس وقت چور نے روشنی کو آٹا سمجھ کر چادر بچھائی تو وہ بول اٹھا اور کہنے لگا

"ججمان سانوں دن نوں ایتھے کچھ نہیں لبھ دا تینوں رات نوں ایتھے کی لبھے گا"

یعنی ہمیں تو اس گھر میں دن کو کچھ نہیں ملتا کہ کھائیں پئیں۔ تمہیں رات کو کیا ملے گا۔ اس پر چور بھاگ گیا اور چادر بھی وہیں چھوڑ گیا۔ مراثی نے وہ چادر اٹھالی اور کہا "ججمان جو ہوئے کچھ دے ہی جاناں سی"۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جب نور نبوت جلوہ گر تھا تب ان کو کچھ نہ ملا۔ تو فیج اعوج کے زمانہ میں کیا مل سکتا تھا۔ جو روشنی کا زمانہ تھا اس میں ان کے گھروں سے کیا ملتا تھا جو اس وقت کچھ امید رکھی جائے جبکہ اندھیرا چھا گیا تھا۔ پس سچی توحید تیرہ سو سال کے عرصہ میں سوائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوئی نہیں لایا۔ لوگ لاکھ عقل و تدبیر سے کام لیتے تو بھی ایسی توحید پیش نہیں کر سکتے تھے۔

یہ وہ کام ہے جو توحید کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا اور توحید کے متعلق تعلیم دی ہے۔ اس وقت میں نے بطور نمونہ اس کا ذکر کیا ہے۔ ورنہ اس پر سینکڑوں خطبے کہے جا سکتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی۔ تو **یتلوا علیھم اٰیٰتک** کے مفہوم پر اور اس کے دوسرے حصوں کے متعلق اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ اس بارے میں کیا ہے اس کی بابت انشاء اللہ تعالیٰ پھر بتاؤں گا کہ وہ کیسے کیسے ضروری کام تھے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں آکر کئے۔

پس یہ غلط خیال ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر کوئی

آنکھیں کھول کر دیکھے اور روحانیت کا کوئی شائبہ اس میں پایا جائے تو وہ یہ یقین کر لے گا کہ سورج کے بغیر دنیا کا گزارا ہو سکتا تھا وہ یہ تو یقین کر لے گا کہ چاند کے بغیر دنیا کا گزارہ ہو سکتا تھا وہ یہ تو یقین کر لے گا کہ بارش کے بغیر دنیا کے گزارا ہو سکتا تھا لیکن وہ یہ ہرگز یقین نہیں کرے گا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بغیر ایک دم بھی گزارا ہو سکتا تھا۔

لوگ کہتے تو ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اگر آپؑ نہ آئے ہوتے تو نہ معلوم مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ جاتے اور میرے لئے تو آپ کی صداقت کی یہی دلیل کافی ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ آتے تو ہم لوگوں کی ایسی بدتر حالت ہوتی جو خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔ خدا جانے ہم کن کن گناہوں اور بدیوں میں پھنسے ہوتے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی احسان ہے کہ ہمیں جو کہ ہلاکت کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے ہاتھ سے پکڑ کر تباہی اور بربادی سے بچا لیا اور ہماری پیدائش کی جو غرض ہے کہ خدا کا قرب پائیں اس کے حصول کے نہ صرف طریق بتائے بلکہ خداتعالیٰ کے جلوہ کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔ غرض حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیں جس مقام پر کھڑا کر دیا ہے ہمارے لئے آپ کی بعثت کی ضرورت کا اندازہ لگانے کے لئے وہی کافی ہے اور دوسرے لوگ بھی اگر غور کریں تو انہیں اس کی اہمیت معلوم ہو سکتی ہے لیکن اس کے دیکھنے کے لئے آنکھ چاہیے۔ دیانتداری کے ساتھ اگر کوئی شخص اس پر غور کرے گا۔ تو اسے سب کچھ مل جائے گا اور سب باتیں جن کی اس وقت دنیا کو روحانیت کے حصول کے لئے ضرورت تھی آپ کی تعلیم میں سے مل جائیں گی۔

مگر یاد رکھو نبی ہمیشہ بیج ڈال دیتا ہے اس لئے اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ ہر مضمون پر اسے علیحدہ لکھی ہوئی کتاب مل جائے تو یہ مشکل ہے۔ قرآن کریم نے بھی ہر مضمون پر علیحدہ کتاب نہیں رکھی۔ اس میں بھی بعض موقعوں پر بعض مسائل اجمالی طور پر اور بعض اشارات سے سمجھائے گئے ہیں۔ پس اگر کوئی یہ چاہے کہ بنی بنائی علیحدہ علیحدہ کتابیں اسے ہر مضمون پر مل جائیں۔ تو یہ اس کی غلطی ہے۔ ہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتابوں میں تمام مسائل بیان فرما دیئے ہیں اور بے شمار علوم ان میں جمع کر دیئے ہیں۔ انسان اگر ان پر غور کرے۔ تو گہرے سے گہرے مسائل کا پتہ ان سے لگ جاتا ہے اور پھر عجیب معارف و نکات کا بھی انکشاف ہوتا ہے۔

میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ براہین احمدیہ کو مسلسل پڑھ جاؤں لیکن ایسا نہیں کر سکا۔ جب بھی دو چار دس سطریں پڑھیں۔ تب ہی ایسے گہرے اور لمبے خیال میں پڑ گیا۔ اور اس قدر معارف اور نکات

ذہن میں آنے لگے کہ ایسا معلوم ہوتا کہ یہ الفاظ دروازہ تھا۔ جس کے آگے وہ سرسبزوشاداب باغ ہے کہ جس میں طرح طرح کے پھل اور میوے ہیں۔ اسی طرح آپ کی دوسری کتابوں کا حال ہے۔ ان کو اگر پڑھا جائے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علوم کا دریا لہریں مار رہا ہے۔ پس جہاں میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کام کئے وہ دوسرے نہیں کر سکتے تھے۔ وہاں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ آپؑ کی کتابوں کو قصہ کہانی کے طور پر نہ پڑھو بلکہ نیک نیتی کے ساتھ ان کا مطالعہ کرو۔ تو معلوم ہوگا کہ ان میں ہر عقل والے کے لئے علم رکھا گیا ہے اور ہر قسم کا علم رکھا گیا ہے اور جب اس طرح کوئی شخص انہیں پڑھے گا تو اسے خودبخود معلوم ہوگا کہ جو کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہے۔ وہ کس قدر عظیم الشان ہے اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ آپ ہی کے کرنے کا تھا۔ علماء اسے کر ہی نہ سکتے تھے بلکہ وہ تو سمجھ بھی نہ سکتے تھے۔

(الفضل ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

1۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "آئینہ کمالات اسلام" کے صفحہ ۲۲۳، ۲۲۴ میں حسب ذیل سطور ارقام فرمائی ہیں جن کی تشریح اور توضیح حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اس موقع پر کی ہے۔

"یاد رہے کہ توحید کے تین درجے ہیں۔ سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے جیسی مخلوق کی پرستش نہ کریں۔ نہ پتھر کی نہ آگ کی۔ نہ آدمی کی نہ کسی ستارہ کی۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسباب پر بھی ایسے نہ گریں کہ گویا ایک قسم کا ان کو ربوبیت کے کارخانہ میں مستقل دخیل قرار دیں۔ بلکہ ہمیشہ مسبب پر نظر رہے۔ نہ اسباب پر۔ تیسرا درجہ توحید کا یہ ہے کہ تجلیات الٰہیہ کا کامل مشاہدہ کرکے ہر ایک غیر کے وجود کو کالعدم قرار دیں اور ایسا ہی اپنے وجود کو بھی۔ غرض ہر ایک چیز نظر میں فانی دکھائی دے۔ بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کامل الصفات کے۔ یہی روحانی زندگی ہے کہ یہ مراتب ثلاثہ توحید کے حاصل ہو جائیں"۔

2۔ اکبر الہ آبادی